Al-Milal (January-June 2026)
Vol. 8, No. 1 ISSN: 2663-4392

جامع الاوصاف نبئ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمی ہونے کا فلسفہ

The Philosophy Underlying the Ummi Status of the Holy Prophet Muḥammad ﷺ: A Comprehensive Study of Its Dimensions

Muhammad Naqibullah Razi [1]
Dr.Aftab Ahmad[2]

Abstract: Among the distinctive attributes of the Noble Prophet Muḥammad ﷺ is his designation as *Nabī al-Ummī* (the Ummi Prophet), an attribute explicitly mentioned in the Holy Qur'an. The Qur'an also establishes that the Prophet ﷺ did not speak from his own desire concerning divine revelation but conveyed what was revealed to him by Allah Almighty. These two dimensions—his Ummi attribute and his adherence to divine revelation—provide an important framework for understanding his Prophetic mission. Nevertheless, his being Ummi and his reliance upon revelation did not preclude the exercise of judgment, reasoning, and *ijtihād* in matters where such deliberation was applicable. The Ummi attribute is also significant in understanding the miraculous nature of the Prophet's ﷺ mission. Despite not having received conventional instruction in reading and writing, he conveyed a message characterized by extraordinary eloquence, wisdom, guidance, and linguistic excellence. The Qur'an, revealed through his blessed tongue, represents an unparalleled form of divine discourse and constitutes a fundamental sign of the truthfulness of his Prophethood. Thus, the Ummi attribute may be understood not as a deficiency but as an aspect of divine wisdom and Prophetic distinction. Classical and contemporary Muslim scholars have offered various interpretations of the term *Ummī*, including its association with the absence of formal literacy and its broader Qur'anic usage. This study examines these interpretations and analyses the theological, philosophical, and epistemological significance of the Ummi attribute within the broader context of the comprehensive qualities of the Prophet ﷺ. It further examines how an attribute may signify perfection in one context while indicating deficiency in another. Accordingly, the Ummi attribute, although ordinarily associated with a limitation in other contexts, assumes a distinctive and honourable significance in relation to the Noble Prophet ﷺ. The study concludes by highlighting its relationship with divine revelation, Prophetic knowledge, and the perfection of his Prophetic mission.

Keywords: *Nabī al-Ummī, Ummi attribute, Prophet Muḥammad ﷺ, Prophetic attributes, divine*

---

[1] Ph. D Research Scholar, Department of Islamic studies, Shaeed BB University sheringal. (drosh670@gmail.com)
[2]Assistant professer, Department of Islamic Studies, Shaeed BB University Sheringal, Dir Upper, KPK (dr.aftabahmad@sbbu.edu.pk)

Al-Milal (January-June 2026)
Vol. 8, No. 1 ISSN: 2663-4392

جامع الاوصاف نبی ﷺ

اللہ تعالیٰ نے جب سے اس کائنات کو پیدا فرمایا ہے، اس کو آباد کرنے کے لئے انسان کو یہاں بھیج دیا ہے، اور ساری مخلوق کو اس کے فائدے کی خاطر وجود عطا فرمائی۔ پھر انسانوں کی رہنمائی کی خاطر ان میں سے ہی ایک برگزیدہ ہستی کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجتا رہا ہے۔ '' وَاِنْ مِنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ '' [1]

"کوئی امت ایسی نہیں، کہ اس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو"۔

ان برگزیدہ ہستیوں میں سب سے پہلی شخصیت حضرت آدم علیہ السلام کی ہے اور سب سے آخری ہستی نبیٔ آخرزمان حضرت محمد مصطفی ﷺ ہیں۔ آنحضرت ﷺ تمام انبیائے کرام میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب تھے، بلکہ آپ ﷺ ہی اس کائنات کی وجہِ تخلیق تھے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو ہر پہلو سے کامل و مکمل اور ایک مثالی شخصیت بنا کر بھیجا۔ یوں تو تمام انبیائے کرام کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بے شمار نعمتیں اور خصوصی اوصاف عطا کئے گئے، مگر آنحضرت ﷺ کو ان جملہ اوصاف و کمالات، فضائل و خصائل اور شرف و عظمتوں سے نوازا گیا جو تمام انبیاء کا خاصہ تھا۔ قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں:

لَيْس أحدٌ من الأنبيآء أعطى فضيلةً او كرامةً الّا وقد اعطى محمدٌ مِثْلُها'' [2]

"تمام پیغمبروں کو جو جو فضیلت اور کرامت دی گئی تھی، ان سب کو محمد ﷺ کو بھی عطا کیا گیا تھا"۔

اور ان کے علاوہ بھی آپ ﷺ کو جامع الکمالات کا مرقع بنا دیا۔ جیسے کسی شاعر نے خوب کہا ہے: ؎

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا داری [3]

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو کمالات و خصائص کا ایسا معیار بنا دیا کہ قیامت تک کے لوگوں کے لئے آپ ﷺ کی اداؤں کو سُنّت قرار دے کر یہ فرماتے ہوئے اسی کے اختیار کرنے کا پابند بنا دیا:

لَقَدْكَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ [4]

''یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونۂ عمل ہے"۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ کی زندگی کے جس پہلو کو بھی لیا جائے اس میں کمالات کی انتہاء ہی نظر آتی ہے۔ کیوں نہ ہو، کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو فراست، عقلمندی، ذہانت اور علم بھی اتنا وافر مقدار میں عطا فرمایا تھا کہ ساری دنیا اس کے مقابلے میں ریت کے ذرے کی برابر بھی نہیں۔ امام وہب بن منبہؒ جو مشہور تابعی ہیں اور سابقہ تمام کتابوں کے بڑے عالم تھے، وہ فرماتے ہیں:

قرأت فى احد وسبعين كتابا ،فوجدت فى جميعها انّ الله تعالىٰ لم يعط جميع النّاس من بدأ الدّنيا الىٰ انقضائها من عقل فى جنب عقله ﷺ الّا حبّة رملٍ من بين رمال الدّنيا [5]

---

[1] سورۃ الفاطر: ۲۴

[2] عیاض، ابوالفضل قاضی عیاض الیحصبی، الشفاء بتعریف حقوق المصطفی، ج۔ ۱، ص ۳۶، مکتبہ روضۃ القرآن، پشاور، سطن

[3] اعظمی، مختار احمد اصلاحی، مولانا، ذکرِ سیّد الکونین ﷺ، ص ۱۵۴، شفیق سنز، صدر بوہری بازار، کراچی، ۱۹۹۹ء

[4] سورۃُ الاحزاب: ۲۱

[5] الشفاء، ج۔ ۱، ص ۵۰

Vol. 8, No. 1 ISSN: 2663-4392

”میں نے (گزشتہ کتابوں میں سے) اکہتّر کتابیں پڑھی ہے، ان سب میں یہ بات مشترک تھی کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے آغاز سے اس کے اختتام تک تمام لوگوں کو عقل و فراست میں جو کچھ عطا فرمایا ہے، وہ آپ ﷺ کی عقل و فراست کے مقابلے میں دنیا کی ریتوں میں سے کسی ریت کے دانے کے برابر بھی نہیں ہے“۔

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ سے محبّت رکھنے والوں نے آپ ﷺ کے اوصاف و کمالات اور خصائص و خصائل کو ایک ایک کر کے محفوظ بھی کرتے آئے ہیں اور ان کو مستقل طور پر اپنی علمی تحقیق کا میدان بھی بناتے رہے ہیں۔ جوں جوں آپ ﷺ کے اقوال و افعال اور تقریرات پر بنظرِ غائر نگاہ ڈالی جاتی ہے تو ہر قدم پر انسانیت محوِ حیرت رہ جاتی ہے۔ اور آپ ﷺ کی بصیرت فَزا فکر اور فراست رَسا ذہن کے راز افشا ہوتے ہوئے کائناتِ علم و عمل کے کئی دریچے کھول دیتے ہیں۔ اور یوں افصح العرب ﷺ کے کلامِ فصاحت اعجاز کے آفاق سے طلوع ہونے والے جَوامعُ الکَلِمِ کے ماہتاب کی کرنیں نمودار ہو کر ایک دوسرے جہاں کی ضیاپاشیاں شروع کرتی جارہی ہوتی ہیں، پھر ان روشنیوں کی تہ میں وہ گوہرِ نایاب نظر آنے لگتے ہیں کہ ان تک رسائی آپ ﷺ کی نگاہِ تحقیق کے سوا کسی فردِ بشر کے عقل و فہم کے بس کی بات ہو ہی نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اُس نے پوری دنیا میں سے صرف ایک ہستی کو اپنی محبوبیّت کے لئے منتخب فرمایا، اور اپنے تمام مقرّبین اور منتخبین میں سے صرف حضرت محمد ﷺ کو ہمہ جہت شخصیت کے اوصاف سے متصف فرمایا۔ حضرت رسول اللہ ﷺ تمام انسانی خُوبیوں سے مالامال تھے، آپؐ کے ان اوصاف کو مختلف حیثیتوں سے اجاگر کرنا ایمانی تقاضا ہے۔

تاہم آنحضرت ﷺ کے علمی کمالات اور تحقیقی منہج کے حوالے سے چند ایک امور زیادہ قابلِ توجّہ شمار کئے جاتے ہیں۔ کہ آنحضرت ﷺ تو وحی کے تابع تھے، جبکہ "تحقیق" کے حوالے سے محقّق کی ذاتی رائے، اُس کی علمی کاوش اور خداداد صلاحیتوں کے عمل دخل کا تذکرہ ہوا کرتا ہے؟۔ شاید یہی وجہ ہے کہ عام طور پر ہمارے محقّقین نے بھی آنحضرت ﷺ کی اس صفت اور خصوصیت کی طرف کچھ زیادہ توجہ نہیں دی ہے۔ اِس رائے کے پیشِ نظر زیرِ بحث موضوع میں آنحضرت ﷺ کی اُن تحقیقات کا حوالہ نہیں دیا جائے گا جو براہ راست وحی کے ذریعے دُنیا کے سامنے پیش ہو چکی ہیں، اور یا وہ از قسمِ معجزات اور امورِ مُغیبات جو ہر نبی کی نبوّت کا حصہ ہوتی ہیں، یا جن کا تعلق مابعد الطبیعیات سے ہوتا ہے۔ بلکہ یہاں انشاء اللہ یہ ثابت کرنے کی کوشش جائے گی کہ وحی کے علاوہ بھی آنحضرت ﷺ کی تحقیقات سب سے اعلیٰ، اور سب سے زیادہ حیران کن اور عالی مرتبت ہیں۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان خدشات کا بھی تسلّی بخش حل تلاش کی جائے جو وحی والہام ا اور علم و تحقیق کے حوالے سے پیش آسکتی ہیں۔ اور یہ کہ آپؐ صفتِ خاص ”اُمی“ ہونے کی تفہیم اور مفہوم کے ضمن میں وارد ہوسکتی ہیں۔

نبیؐ محققؐ اور تحقیق:

تحقیق کی تعریفات کی روشنی میں آنحضرت ﷺ کے محقّق ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ آپؐ ہر چیز کی حقیقت کی تہِ تک پہنچے ہوئے تھے، چاہے وہ بذریعہ وحی ہو، یا تدبّر و تفکّر اور خداداد ذہانت کے ذریعے سے ہو۔ اور اس کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ پر نازل ہونی والی وحی میں اختصار تھا، آپؐ نے اس کی تفصیل بیان فرمائی، اُس میں اجمال تھا، آپؐ نے توضیح فرمائی، اُس میں کلیات تھے، آپؐ نے ان کی تشریح جزئیات کی صورت میں فرمائی۔ انہی معنوں میں آنحضرت ﷺ کو خود قرآن کریم کی اصطلاح میں "بشیر، نذیر، مُبیّن، مُفسّر، مُعلّم، شارح، داعی، اٰمر، ناھی" وغیرہ کے اوصاف سے متّصف کیا گیا ہے۔

تو آنحضرت ﷺ کی تحقیق کے دو پہلو ہوئے، ایک یہ کہ آنحضرت ﷺ نے احکامِ شریعت کی تشریح زیادہ تر وحی ہی کے ذریعے فرمائی۔ اور دوسرا پہلو یہ کہ تعلیم و تربیّت اور امورِ عادی اور دُنیاوی کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کی تحقیقات وحی کے علاوہ بھی ہوتی تھیں۔ اور آپؐ دونوں معنوں میں "حقیقی محقّق" کے رتبے پر فائز تھے۔ مختصر یہ کہ امورِ عادی و دُنیوی، معاشرت، معیشت، تہذیب و تمدّن اور اخلاقیات وغیرہ کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کی جانب سے کوئی بھی نئی سوچ، بین الامور حسن انتخاب اور کسی بھی قسم کا تصرّف آپؐ کی تحقیقات میں شامل ہے۔

وحیٔ نبوی اور تحقیق:

مفسرین اور سیرت نگاروں نے اس بحث کو بھی موضوعِ سخن بنایا ہے کہ حضرت رسولِ اکرم ﷺ کے بارے میں قرآن مجید میں آیا ہے:

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ[1]

"اور یہ تو اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے"۔

تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی ہر بات وحی تسلیم کی جائے تو پھر اس میں آپؐ کی ذاتی تحقیق کا کوئی پہلو نکل نہیں آتا۔ تحقیق میں تو محقّق کی رائے کا عمل دخل ہوتا ہے، جب آپ ﷺ کی ہر بات وحی کی تابع مانی جائے تو تحقیق کی ضرورت ہی نہیں رہتی؟۔ چنانچہ اس بات کی تصریح کر دی گئی ہے کہ آپ ﷺ ہر امر میں وحی کے تابع نہیں تھے، بلکہ امورِ شرع میں وحی کے بغیر آپ ﷺ اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتے تھے۔ جبکہ امورِ عادی، معاشرتی اور ضروریاتِ زندگی سے متعلق امور میں آپ ﷺ اپنی رائے اور تحقیق سے کام لیا کرتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ پھر وحی کے ذریعے آپ ﷺ کی رائے کی تصدیق یا اس میں اصلاح و ترمیم کی جاتی تھی۔ باقی قرآنِ مجید کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ جو قرآن سناتے ہیں وہ وحی ہے اپنی طرف سے بنا کر پیش نہیں کرتے۔[2]

اسی طرح غیبی امور میں بھی آپ ﷺ وحی کے تابع تھے۔ جہاں اجمال کی تفصیل مطلوب ہو، یا کسی پیچیدہ مسئلے کی توضیح کرنی ہو، وہاں آپ ﷺ اپنی رائے اور اجتہاد سے بھی حکم دیا کرتے تھے۔ پھر مزید تفصیل یا اضافہ اور ترمیم وحی کے ذریعے ہو جاتی تھی۔ حضرت ابو قتادہؓ کی روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے سوال کیا کہ اگر میں فی سبیل اللہ جہاد کرتے ہوئے شہید ہو جاؤں تو کیا میری تمام خطائیں معاف کر دی جائیں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بالکل، اگر تو اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہو جائے، اور تو صبر کرنے والا، ثواب کی امید رکھنے والا ہو، اور پیش قدمی کرنے والا ہو، اور پیٹھ پھیرنے والا نہ ہو۔ پھر کچھ لمحے بعد آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کہ تو نے کیا پوچھا تھا؟۔ اس آدمی نے پھر وہی سوال دہرایا۔ آپ ﷺ نے بھی وہی جواب دیا۔ پھر یہ بھی فرمایا: اِلَّا الدَّین"، سوائے قرض کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے، اور یہ بات ابھی جبریل علیہ السلام نے مجھے بتا دیا۔[3]

---

[1] سورۃُ النَّجم: ۴۔۳

[2] محمد رشید رضا، تفسیر المنار، ج ۱۴، ص ۱۰۸، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۴۲ھ

[3] اعداد مجموعۃ المختصین، موسوعۃ نَضرَۃَ النَّعِیم فِي مَکَارِمِ اَخلَاقِ الرَّسُولِ الکَرِیم، ج ۳، ص ۲۲۷، مکتبۃ رشیدیہ کوئیتۃ، ۲۰۲۱ء

Al-Milal (January-June 2026)
Vol. 8, No. 1 ISSN: 2663-4392

اس حدیث میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ کسی نیک عمل کے ثواب کا تعین عموماً وحی کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے۔ لیکن یہاں وحی کے ذریعے عام میں تخصیص کر دی گئی ہے اگر پہلی بات کو بھی وحی تسلیم کر لی جائے تو چند لمحوں میں اس میں تنسیخ یا ترمیم کی ضرورت نہیں پڑتی۔ لہٰذا شارع کی حیثیت سے بھی آپ ﷺ جب رائے دیتے ہیں تو اس میں بھی گویا اللہ کی طرف اضافہ کیا جاتا ہے یا تفصیل اور وضاحت کی جاتی ہے۔ بہر صورت یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ آپ ﷺ کی ہر بات وحی نہیں ہوتی تھی، بلکہ آپ ﷺ کی اپنی تحقیق بھی ہوتی تھی۔ آپؐ کی اس نوعیت کی تحقیقات پر عمل کرنا بھی لازمی ہوتا ہے۔

پھر اگر وہ امورِ عادیات میں سے ہوں، تب تو اتباع لازمی نہیں ہوتی، ہاں جس کو آنحضرت ﷺ سے محبت ہو، وہ ایسے امور میں بھی آپ ﷺ کے اتباع کو چھوڑنا کبھی پسند نہیں کرے گا۔ مصر کے نامور مفسّر علامہ رشید رضاؒ فرماتے ہیں:

"آپ ﷺ کے ذاتی افعال اس حیثیت سے کہ وہ آپؐ کی ذات سے متعلق ہیں، وجوب یا شرعی مندوب ہونے پر دلالت نہیں کرتے، بلکہ وہ مباح ہونے پر دلالت کرتے ہیں، کیونکہ آپ ﷺ کوئی حرام کام کر نہیں سکتا۔ اور آپؐ کا لوگوں کے معمول کے کاموں میں سے کسی کام کو نہ کرنا بھی اس کام کے شرعاً حرام اور مکروہ ہونے پر بطریقِ اولیٰ دلالت نہیں کرتا۔ اور یہ بالکل ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی امّت کو اس بات سے آگاہ فرمایا ہے کہ آپؐ کے بعض عبادات کے حوالے سے آپؐ کے بعض اعمال تشریعی طور پر نہیں تھے۔۔۔۔۔ ہاں جو شخص امورِ عادی میں بھی آپ ﷺ سے محبّت کی بنا پر اور آپؐ کی حیاتِ طیّبہ کو یاد کرتے ہوئے آپؐ کا اتباع کرنا چاہے، اور اس کو دین میں سے ہونے کا اعتقاد نہ رکھے اور نہ لوگوں کو اس حوالے سے مغالطہ میں ڈالے، اور نہ کسی ضرر کا متحمل بنے جس سے تعرض کرنا شرعاً درست نہ ہو، یا شرعاً کسی مذموم شہرت کا باعث نہ ہو، تو اس طرح کا اتباع بھی یہ لائق ہو گا کہ اس سے اس کے ایمان کے کامل ہونے میں اضافہ ہو گا۔ کیونکہ اس نے نبی ﷺ کو یاد رکھنے اور ان سے محبّت کرنے کا ارادہ کر لیا ہے"۔[1]

امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں ایک باب قائم کر کے اس کا ٹائٹل اس طرح رکھا ہے:

باب وجوب امتثال ماقالہٗ شرعاً دون ماذکرہ ﷺ من معائش الدّنیاعلی سبیل الرّائ (یہ باب اس بارے میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو بات شریعت سے متعلق فرمائی ہو اُس کی تعمیل واجب ہے اور جو بات دنیوی معاش سے متعلق اپنی رائے سے فرمائی ہو، اس میں واجب نہیں)[2]۔ اس میں دیگر روایات کے علاوہ یہ مشہور حدیث لائے ہیں:

حضرت رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے اُس وقت وہاں کے لوگ تابیر نخل کیا کرتے تھے، یعنی کھجور کی قلم کاری میں مصروف تھے، آپؐ نے دریافت فرمایا: تم لوگ کیا کر رہے ہو؟۔ انہوں نے کہا: ہم جوڑ لگاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اگر تم ایسا نہ کرو تو بہتر ہو گا۔ انہوں نے یہ کام ترک کر دیا، پھر آئندہ کھجور کی فصل میں کمی آئی، تو آپؐ کے دریافت کرنے پر انہوں نے وجہ بتائی۔ تب آپؐ نے فرمایا:

انماانابشرٌ ،اذا مرتکم بشیٔ من دینکم فخذوا بہٖ واذامرتکم بشی من رائی فانّمااَنَابَشر ،وفی روایۃ انتم اَعْلَمُ بِاُمورِ دُنیاکم۔[3]

---

[1] محمد رشید رضا، تفسیر المنار، ج۷، ص۳۰۷، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۴۲ھ

[2] مسلم بن الحجاج، ابو الحسن، الامام، الصحیح لمسلم، ج۲، ص۲۶۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱۹۵۶ء

[3] ایضاً، ج۲، ص۳۶۴

”بیشک میں بھی ایک انسان ہوں، اگر میں تمہیں تمہارے دین کے متعلق کوئی حکم دوں تو اس کو لازم رکھو، اور اگر میں اپنی رائے سے کوئی بات کہوں، تو میں بھی ایک انسان ہی ہوں۔ (حضرت انسؓ کی روایت میں یہ بھی ہے) تم کو اپنے دُنیاوی معاملات کا بخوبی علم ہے“۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی کی نگرانی میں احادیث کا جو ذخیرہ المدوّنۃ الکبریٰ کے نام سے چھپ رہا ہے، اس کی دوسری جلد کے مباحث میں بھی یہی ترجمۃ الباب (عنوان) قائم کیا گیا ہے۔ پھر اس عنوان کے ذیل میں پندرہ مختلف کتبِ حدیث سے تابیر (کھجور کی قلم کاری) والی حدیث نقل کی ہے[1]

شارحِ صحیح مسلم امام نوویؒ فرماتے ہیں: علماء نے کہا ہے کہ یہاں آنحضرت ﷺ کا فرمان ”مِنْ رَأْيٍ“ (اگر میں اپنی رائے سے کچھ کہوں) کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں دُنیوی امور اور زندگی سے متعلق کوئی رائے دوں (جن کا تعلق تجربہ سے ہو) اور شریعت سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو، تو اس میں اتباع ضروری نہیں، اگر وہ رائے آنحضرت ﷺ کے اجتہاد پر مبنی ہو، اور اس کا تعلق شریعت سے ہو، تب اتباع لازم ہے“۔[2]

اس حوالے سے شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ نے پانچ مواقع ایسے گنوائے ہیں جن کا مقصد تبلیغِ احکام نہیں ہوتا، تو ان میں اتباع بھی اختیاری ہے۔ انہوں نے مثالوں کے ساتھ سے تفصیل سے بیان کی ہے۔ جن کا خلاصہ یہ ہے:

(۱)۔ وہ رایات جو علاج معالجہ اور طب سے متعلق ہوں۔ (۲) وہ روایات جن میں آنحضرت ﷺ کے افعال کا تعلق امورِ عادیہ سے ہیں، اور عبادات کے طور پر پیش نہیں کئے گئے۔ (۳) وہ روایات جو عام لوگوں کی باہمی گفتگو جیسی باتوں پر مشتمل ہوں، جیسے حدیث امّ زرع، حدیث خُرافہ وغیرہ۔ (۴) وہ روایات جو کسی وقتی مصلحت پر مشتمل ہوں، اور ان کا تعلق عام امّت سے نہ ہو، اور نہ عام لوگوں پر لازم ہوں، جب حالات بدل جائیں تو اس کی ضرورت بھی نہیں رہے گی۔ جیسے خاص حالات سے متعلق ہدایات۔ مثلاً لشکر کی ترتیب، تنظیم اور جنگی شعار وغیرہ۔ (۵) وہ روایات جو کسی خاص موقع پر فیصلہ اور حکم پر مشتمل ہوں۔ جیسے گواہوں اور قسموں پر کوئی فیصلہ صادر ہو چکا ہو، پھر واقعہ اس کے برعکس ثابت ہو جائے، تو وہ قابل عمل نہیں رہتا۔[3]

کتاب وسنّت میں ایسے کئی حوالے موجود ہیں جن سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ہر بات وحی نہیں ہوتی تھی، بلکہ امورِ عادیہ میں سے بھی ہوتی تھی، اور آپ ﷺ اپنی اجتہاد سے بھی کام لیا کرتے تھے۔ جیسے مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے امّ المؤمنین حضرت زینبؓ کے ہاں شہد کھایا تھا، دوسری امہات المؤمنینؓ ناگوار گزرا، انہوں نے چھیڑتے ہوئے کہا کہ آپؐ کے منہ سے مغافیر کی بو آرہی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: میں نے تو شہد کھایا ہے؟۔ چونکہ آپؐ کو بدبو سے نفرت تھی، اس لئے آپؐ نے آئندہ شہد نہ کھانے کا تہیّہ کر لیا۔ جس پر یہ آیت اتری:[4]

---

1 عثمانی، محمد تقی، المدوّنۃ الجامعۃ لِلاحادیث المرویّۃ عن النّبی الکریم ﷺ، ج ۲، ص ۶۶۳، دار القلم، دمشق, ۲۰۱۹ء

2 شرح نووی، علی ھامش الصحیح لمسلم، ج ۲، ص ۲۶۴

3 محدّث دھلوی، شاہ ولی اللہ، حُجّۃ اللہ البالغۃ، ج ۱، ص ۳۶۰ تا ۳۶۲، المبحث السابع / رحمۃ اللہ الواسعہ، ج ۲، ص ۴۴۸،

4 الصابونی، محمد علی، صفوۃ التّفاسیر، ج ۳، ص ۳۸۳، قدیمی کتب خانہ، کراچی، سطن

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [1]

"اے نبی! جو چیز اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہے، تم اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اُسے کیوں حرام کرتے ہو؟ اور اللہ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے"۔

ظاہر ہے یہ وحی اُس خاص واقعہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اگر وہ واقعہ اور اس سے متعلق گفتگو بھی " وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى [2] '' کے تحت شامل ہو کر وحی شمار کی جائے تو اس آیت کے نزول کا مقصد ہی فوت ہو گا۔ اس قسم کے کئی واقعات پیش آئے ہیں جن میں آپ ﷺ نے کوئی بات فرمائی، اور بعد ازاں وحی نازل ہو کر اس کی اصلاح یا توثیق کی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تبلیغِ رسالت کے علاوہ آپ ﷺ کی باتیں غیر وحی بھی ہوتی تھیں، جن میں آپ ﷺ اپنی رائے اور فراستِ باطنی سے بھی بہت سے فیصلے کئے ہیں، جو آپؐ کے تجربات، مشاہدات اور تحقیقات کے زمرے میں آتی ہیں۔

گیارھویں صدی ہجری کے مشہور سیرت نویس اور شارح شہاب الدین الخفاجیؒ نے اس موقع پر ایک سوال نقل کر کے اس کا جواب دیا ہے۔ جو اس تمام بحث کا خلاصہ ہو سکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ سوال کیا جائے کہ آنحضرت ﷺ وحی کے حوالے سے سفیرِ محض تھے؟۔ (یعنی آپؐ پر جو بھی وحی نازل ہوتی تھی آپؐ تو صرف اسی وحی کو لوگوں تک پہنچانے کے ذمہ دار تھے، پھر علم و حکمت کی نسبت آپؐ کی طرف کیونکر کی جا سکتی ہے؟)۔ اس کا جواب امام خفاجیؒ نے دو طرح سے دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"پہلی بات یہ ہے کہ فرشتے سے وحی کو لے لینا، اس کو محفوظ کرنا اس کو سمجھنا اور بغیر کسی تکلّف کے اس کو اُس کے مقام پر جاری کرنا (بغیر کسی کی تعلیم و تدریس کے) آپ ﷺ کی علمی بلندی اور قابلِ تعجب شان پر دلالت کرتا ہے۔ بہت سے ایسے علماء بھی گزرے ہیں جنہوں نے مختلف علوم پڑھے اور سیکھے، لیکن جب اپنے علم کو پیش کرنے کا موقع آیا، تو وہ نہ اس پر قادر تھے، اور نہ ان کی پیش کش میں کوئی رونق تھا۔ اسی طرح بعض فقہاء کو جب قاضی بنا دیا گیا تو وہ لوگوں کے درمیاں اچھا فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے۔ اور (دوسری بات) جو کچھ میں نے کہا، اس کے علاوہ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ عرف و عادات کے امور میں اکثر آپ ﷺ اپنی رائے اور حسنِ تدبیر سے کام لیا کرتے تھے۔ کیوں کہ آنحضرت ﷺ کو اجتہاد کرنے کی اجازت تھی"۔[3]

آپؐ کے نبی اُمّی ہونے کا مطلب اور اس کا فلسفہ:

آنحضرت ﷺ کے جملہ اوصافِ جمیلہ میں سے ایک صفت "نبیٔ امّی'' بھی ہے، قرآن مجید میں یہ صفت دو جگہ آنحضرت ﷺ کے لئے استعمال ہوا ہے:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ [4]

"جو اس رسول یعنی نبی اُمّی کے پیچھے چلیں جس کا ذکر وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پائیں گے''

[1] سورۃ التحریم: ۱

[2] سورۃ النجم: ۴-۳

[3] الخفاجی المصری، شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر، نسیم الرّیاض فی شرح شفا القاضی عیاض، ج ۲، ص ۴۳، ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، لاہور، سطن

[4] سورۃ الاعراف: ۱۵۷

فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہِ النَّبِیِّ الۡاُمِّیِّ الَّذِیۡ یُؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَکَلِمٰتِہٖ وَاتَّبِعُوۡہُ لَعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ [1]

"اب تم اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان لے آؤ، جو نبیٔ اُمّی ہے جو اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے، اور اس کی پیروی کرو، تاکہ تمہیں ہدایت حاصل ہو"۔

بہت سے لوگوں کو اس میں مغالطہ ہوتا ہے، اور وہ اس صفت کو اردو معنی میں لیتے ہیں، جو صرف غلط ہی نہیں ، بلکہ آنحضرت ﷺ کی شان میں بے ادبی بھی ہے۔ در حقیقت عربی زبان میں "اُم" ماں کو کہا جاتا ہے۔ چونکہ ماں انسانیت کی پیدائش اور تربیت کے حوالے سے اصل ہے، اس لئے عربی زبان میں کسی چیز کی اصلیت کو بھی اُم کی طرف منسوب کر کے اُمّی کہا جاتا ہے، جیسے اُمُّ الکتاب (کتاب کی اصل / اصل کتاب) قرآن مجید میں آیا ہے۔ اس حوالے سے قرآن مجید ہی سے دو حوالے پیش کئے جا سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش مکہ مکرمہ میں ہوئی، اور مکہ مکرّمہ کو "اُمُّ القُریٰ'' کہا جاتا ہے:

لِتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰی وَمَنۡ حَوۡلَہَا [2]

"تاکہ تم اس کے ذریعے بستیوں کے مرکز (یعنی مکہ) اور اس کے ارد گرد کے لوگوں کو خبر دار کرو"

دنیا میں کسی شخص کی نسبت اس کے جنم بھومی کی طرف بھی کی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے کئی محقّقین نے کہا ہے کہ آپ ﷺ کے اُمی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ مکہ والے ہیں اور یہ نسبت اُمّ القریٰ (مکہ مکرّمہ) کی طرف ہے۔[3]

بعض محقّقین کہتے ہیں کہ یہ ''اُمّۃ'' (اُمت یا قوم) کی طرف منسوب ہے جو اپنی عادات کے مطابق لکھتے نہیں، جیسے "عامی" ایسے آدمی کو کہا جاتا ہے جو عام لوگوں کی عادات پر ہو۔ اور آپ ﷺ کو بھی اسی مناسبت سے "اُمی" کہا گیا کہ آپ ﷺ بھی نہ لکھ سکتے تھے اور کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے، بلکہ وحی الٰہی کے بارے میں اپنے حافظے اور اللہ کی طرف سے اُس ذمہ داری پر اعتماد کیا کرتے تھے جس کا وعدہ یہ کہہ کر فرمایا گیا ہے" سَنُقۡرِئُکَ فَلَا تَنۡسٰۤی (الاعلیٰ: ۶)" ہم تمہیں پڑھ کر سنائیں گے پس آپ بھول نہ جائیں گے۔[4]

دسویں صدی کے مشہور مفسر شیخ زادہ رومیؒ اپنی تفسیر میں "اُمی' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: جو شخص لکھنا پڑھنا نہیں جانتا، اس کو "ماں" کی طرف منسوب کر کے اُمی کہا جاتا ہے (یعنی اپنی فطرت پر قائم رہا شخص)۔ یا مطلب یہ ہے کہ وہ لکھنا پڑھنا نہ جاننے میں اپنی ماں کی طرح ہے، اپنے باپ کی طرح نہیں جو لکھنے پڑھنے کا شغل رکھا کرتا ہے۔ یا اس بنا پر کہ وہ اپنی اسی حالت پر موجود ہے جس جبلّت پر اس کی ماں نے اس کو جنا تھا، اور اس جبلّت میں کوئی تغیّر نہیں لایا، اور نہ لکھنا پڑھنا سیکھا۔[5]

---

[1] سورۃ الاعراف:۱۵۸

[2] سورۃ الانعام:۹۲

[3] الاصفہانی، العلامۃ الراغب، مفردات الفاظ القرآن، ص ۳۳، دار نشر اللغۃ العربیۃ، کراتشی، ۲۰۱۳ء

[4] ایضاً، مفردات الفاظ القرآن: ص ۳۳

[5] شیخ زادہ، محمد بن مصلح الدین مصطفی القوجی محی الدین الحنفی، حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی، ج ۱، ص ۳۳۵، مکتبہ دار الشفقۃ بفاتح ۵۷، استنبول، ترکیا، ۱۹۹۸ء

اسی مفہوم میں دوسرا حوالہ بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔اور یہ بھی دو طرح کے حوالے ہیں،ایک یہ کہ یہودیوں میں عموماً لکھنے پڑھنے کا رواج تھا،ان کے پاس کتابیں تھیں وہ پڑھ لکھ سکتے تھے۔لیکن بعض ان میں بھی پڑھے لکھے نہ تھے،ان کو بھی اسی ناخواندگی کے مفہوم میں "اُمی" کہا گیا ہے:

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَٰبَ إِلَّآ أَمَانِيَّ [1]

"اور ان میں سے کچھ لوگ آن پڑھ ہیں،جو کتاب (تورات) کا علم تو رکھتے نہیں،البتہ کچھ آرزوئیں پکائے بیٹھے ہیں"

دوسری عرب قوم تھی،جن میں لکھنے پڑھنے کا بالکل رواج نہ تھا،اور نہ ان کے پاس کوئی کتاب تھی۔اس کے باوجود فصاحت،بلاغت،ذہانت،فراست اور قابلیت میں مشہور تھی۔یہاں تک کہ وہ اپنے سوا تمام غیر عرب اقوام کو عجم یعنی گھونگا کہا کرتے تھے۔اور یہ قوم "اُمی" ہونے پر فخر بھی کیا کرتی تھی،اور غیر اقوام میں اسی نام سے پہچان رکھتی تھی۔چنانچہ قرآن مجید میں یہودیوں کا قول نقل کیا گیا ہے کہ وہ اہلِ عرب کو عربی کے بجائے "اُمی" کہہ کر پکارا کرتے تھے:

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ [2]

"ان کا یہ طرزِ عمل اس لئے ہے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ:امّیوں (یعنی غیر یہودی عربوں) کے ساتھ معاملہ کرنے میں ہماری کوئی پکڑ نہیں ہوگی"۔

پھر جب آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے،تو آپؐ بھی انہی اُمی (عربی) لوگوں میں سے تھے،اور اسی معروف نسبت سے قرآن مجید میں اہلِ عرب کو موسوم کیا گیا ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ [3]

"وہی ہے جس نے اُمی لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول کو بھیجا"۔

آپ ﷺ کو بھی انہی اُمی اُمت کی طرف منسوب کر کے "اُمی" کہا گیا۔مشہور مفسر شیخ زادہؒ فرماتے ہیں:

وأمی من حیث کونہ علی صفۃ أمّۃ العرب فأ ن اکثرھم لایکتبون و لایقرأون و لایحسبون [4]

"آپؐ اُمی اس حیثیت سے ہیں کہ آپؐ بھی عرب قوم کی صفت پر قائم تھے،کیونکہ ان کی اکثریت لکھنا پڑھنا اور حساب کرنا نہیں جانتی تھی"۔

اُمی کا ایک اور معنی بھی لیا گیا ہے،جو زیادہ قابلِ غور محسوس ہوتا ہے۔چنانچہ مشہور سیرت نگار امام ابن ہشامؒ نے ابوعبیدہ کا قول نقل کیا ہے:

لأنّ الأمّی :الّذی یقرأ و لایکتب [5]

---

[1] سورۃ البقرہ:۷۸

[2] سورۃ آل عمران:۷۵

[3] سورۃ الجمعۃ:۲

[4] ایضاً،حاشیہ شیخ زادہ،ج ۲،ص ۳۷۴

[5] ابن ہشام،ابو محمد عبدالملک،السیرۃ النبویۃ،ج ۲،ص ۱۴۲،دار الفجر للتراث،بیروت،۲۰۰۴ء

"اُمی وہ ہے جو پڑھ تو سکتا ہے مگر لکھ نہیں سکتا"۔

یہ معنی اس لحاظ سے اہم ہے کہ ناخواندہ لوگوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک وہ جو بالکل پڑھ بھی نہیں سکتے اور لکھ بھی نہیں سکتے۔ دوسرے وہ جو کتاب پڑھ تو سکتے ہیں مگر لکھنا نہیں جانتے۔ بیسویں صدی کے آغاز تک تعلیم کا عمومی انداز اسی طرح تھا، کہ لوگ مدارس اور مکاتب میں جاکر، یا کسی خاص مدرّس سے کتابیں پڑھ کر عالم تو بن جاتے تھے، لیکن وہ لکھنا نہیں جانتے تھے۔ اس وقت کے تعلیمی نظام کے مطابق اس قسم کے علماء کو بھی خواندہ شمار کیا جاتا تھا، یا جیسے آج تک مسلمانوں میں بھی یہ دستور رہا آیا ہے کہ وہ قرآن مجید کی تلاوت تو کرسکتے ہیں لیکن لکھ نہیں سکتے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بھی لکھنے پڑھنے کا رواج تو نہیں تھا، اس لئے آپؐ نے بھی کسی سے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا۔ لیکن یہ آنحضرت ﷺ کے معجزات میں سے ہے کہ اس کے باوجود بھی آپؐ پڑھ سکتے تھے لیکن لکھ نہیں سکتے تھے۔ چنانچہ امام الخفاجیؒ نے اس حوالے سے اپنی کتاب میں سنن ابن ماجہ کی ایک حدیث نقل کر کے اس پر اپنی رائے دی ہے:

رأیت لیلۃ أُسری بی علی باب الجنۃ مکتوباً الصدقۃ بعشرامثالها والقرض بثمانیۃ عشر''،والقدرۃ علی قرأۃ المکتوب فرع معرفۃ الکتابۃ،واجیب باحتمال اقدار اللہ تعالی لہ علی ذلک من غیر تقدّم معرفۃ الکتابۃ وهو ابلغ فی المعجزۃ [1]

"حضور ﷺ فرماتے ہیں: شبِ معراج میں میں نے جنت کے دروازے پر لکھا ہوا یہ جملہ دیکھا، کہ صدقہ کو دس گنا بڑھایا جاتا ہے اور قرض کو اٹھارہ گنا"۔ اور مکتوب کے پڑھنے پر قادر ہونا لکھنے کی معرفت کا فرع ہے۔ میں اس کا یہ جواب دیتا ہوں کہ یہ احتمال ہے کہ اللہ تعالی نے آنحضرت ﷺ کو پہلے لکھنا سکھائے بغیر پڑھنے پر قادر کیا ہو، پھر تو یہ اور بھی زیادہ بلیغ معجزہ ہوا"۔

آنحضرت ﷺ کا امی ہونا ایک معجزہ ضرور ہے، اس کے ساتھ اس میں کئی حکمتیں بھی پوشیدہ ہیں۔ اگر آنحضرت ﷺ کسی سے لکھنا پڑھنا سیکھ لیتے، تو وہ آپ ﷺ کا استاذ ہوتا، اور استاذ کا مرتبہ شاگرد سے بلند ہوتا ہے، جبکہ آنحضرت ﷺ کا مرتبہ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" والا ہے، نیز اگر آپ ﷺ کسی سے پڑھا ہوا ہوتا، تو آپؐ کے جملہ علوم اور تحقیقات استاد اور اُس کی تعلیم کی طرف منسوب ہوتیں، لہٰذا آپؐ کو امی رکھا گیا۔ اسی وجہ سے سارے انبیائے کرام میں اور کتبِ سابقہ میں بھی آپ ﷺ نبیٔ امی کے نام سے مشہور تھے۔

اور دوسری بڑی حکمت خود قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے کہ اس صورت میں مخالفین کو اعتراض کرنے کا موقع مل جاتا، کہ یہ قرآن مجید اس کا اپنا لکھا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں۔ چنانچہ یہی فلسفہ قرآنِ مجید میں بیان ہوا ہے:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ [2]

"اور آپ اِس سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو باطل والے مین میخ نکال سکتے تھے"۔

اس آیت کی مختصر تفسیر کرتے ہوئے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں: اس آیت میں اس کی حکمت بیان فرمائی گئی ہے کہ امی ہونے کے باوجود جب آپؐ کی زبان مبارک پر قرآن کریم جاری ہوا، تو یہ بذات خود ایک عظیم معجزہ تھا کہ جس

---

[1] ایضاً، نسیم الریاض، ج ۱، ص ۱۵۶

[2] سورۃ العنکبوت: ۴۸

شخص نے کبھی نہ پڑھنا سیکھا، نہ لکھنا، وہ ایسا فصیح وبلیغ کلام پیش کر رہا ہے جس کی مثال پیش کرنے سے سارا عرب عاجز ہو گیا۔ قرآن کریم فرمارہا ہے کہ اگر آپؐ پڑھتے لکھتے ہوتے، تو آپ کے مخالفین کو یہ کہنے کا کچھ نہ کچھ موقع مل جاتا کہ آپؐ نے کہیں سے پڑھ پڑھا کر یہ مضامین اکھٹے کر لئے ہیں۔ اگرچہ اعتراض اس پر بھی فضول ہی ہوتا، لیکن اب تو یہ کہنے کا کوئی موقع ہی باقی نہیں رہا"۔[1]

معروف ادیب اور سیرت نویس مولانا ہارون معاویہ لکھتے ہیں:

"آپ ﷺ کا اُمی ہونا آپ کا معجزہ ہے اگرچہ یہ صفت دوسروں کے لئے عیب سمجھی جاتی ہے کیونکہ آپ نے اعلی علوم ومعارفِ وہبیہ بیان کئے ہیں جن کی تمام تاریخِ انسانیت میں مثال نہیں ملتی اور ایسے علوم بیان کرنے سے ساری مخلوق عاجز آگئی ہے۔ اور یہ ظاہری معجزہ ہے اور حجتِ بالغہ ہے اور حضور ﷺ کی نبوت کی واضح دلیل ہے۔ چناچہ آپؐ کا اُمی ہونا آپ کے لئے کمال ہے"۔[2]

مشہور سیرت نویس قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے اُمی ہونے کو آپ ﷺ کا عظیم معجزہ قرار دیا ہے اور لکھا ہے:"غور کرو کہ جو شخص دنیا میں کسی کا شاگرد نہیں بنا، وہ تمام دُنیا کا استاد بنا ہوا ہے۔ محاسنِ اخلاق، محامدِ اعمال، تدبیرِ منزل، سیاستِ مُدن، اقتصادیات، سیاسیات، عمرانیات کے درس اور دماغ کو روشن، قلب کو مجلّی، روح کو منوّر بنانے والی تعلیم دے رہا ہے اُس کی درسگاہِ قدس کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے، وہاں داخلہ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ وہاں ایک صحرا نشین اور ایک شہری، ایک فلاسفر اور ایک بدوی پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے ہیں اور بہ آنِ واحد اپنی اپنی استعداد وقابلیت کے موافق مستفیض ومستفید ہو رہے ہیں۔ اندریں صورت اُمی لقب سے علّمنی ربّی فاَحسنَ تادیبی کا نور ظہور بخش ہے اور وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ کا دعویٰ متحقّق ہو رہا ہے"۔[3]

قاہرہ کے نامور محقّق وسیرت نویس شیخ محمد رضا نے اس موضوع پر جامع بحث کی ہے، اور مستشرقیں کی کتابوں کے حوالے بھی نقل کئے ہیں۔ جن میں سے بعض نے آپ ﷺ کے اُمی ہونے کا انکار بھی کیا ہے، مصنّف ان کے جوابات بھی دیئے ہیں، اور بعض ان مستشرقین کی کتابوں کے حوالے نقل کئے ہیں جنھوں نے آپ ﷺ کے اُمی ہونے کو تسلیم بھی کیا ہے اور اس پر تعجب کا بھی اظہار کیا ہے۔[4]

خلاصہ بحث

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو ہر قسم کے کمالات اور ہر نوعیت کی صفاتِ جمیلہ اور خصائل حمیدہ کے ساتھ عقل وفراست، بصیرت وحکمت اور علم ودانائی سے سرفراز فرمایا تھا۔ ان اوصاف وکمالات میں سے ایک تو آنحضرت ﷺ کی تحقیقی صلاحتیں اور علمی گہرائیاں بھی ہیں۔ جس کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ ہم نے آپؐ کو وہ علم عطا کیا ہے کہ پہلے آپؐ کو اس کا ادراک نہیں تھا۔ اگرچہ تمام انسانوں کو علم اللہ ہی عطا فرماتے ہیں، مگر آقائے دوجہان ﷺ کو مخاطب فرما کر اللہ تعالیٰ نے آپ کو خصوصی علم عطا فرمانے کا جو اعلان فرمارہے ہیں وہ یقیناً سب سے اعلیٰ اور سب سے جامع علم ہی

---

[1] عثمانی، مفتی محمد تقی، آسان ترجمہ قرآن تشریحات کے ساتھ، ص ۸۱۷، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۱۴۲۹ھ

[2] محمد ہارون معاویہ، مولانا، خصوصیاتِ اسم محمد ﷺ، ص ۳۲۱، دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۰۹ء

[3] سلمان منصورپوری، قاضی محمد سلیمان، رحمۃ للعالمین ﷺ، ج ۳، ص ۳۴، ۳۵، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، ۲۰۱۰ء

[4] شیخ محمد رضا، محمد رّسول اللہ ﷺ، مترجم، مولوی محمد عادل قدّوسی، ص ۱۱۱ تا ۱۱۷، تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی، سطن

ہو سکتا ہے، پھر بات یہیں ختم ہونی چاہئے کہ جب علم میں آنحضرت ﷺ پوری کائنات میں یکتا ہیں تو آپؐ کی علمی صلاحیتیں اور مبلغِ علم بھی سب سے بڑھ کر ہو گا۔ جس کی بنیاد پر آنحضرت ﷺ کی تحقیقات بھی آپؐ کی شان اور علم کے مطابق ہوں گی۔

یہاں ایک اشکال پیش آسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں قرآن مجید کہتا ہے کہ "آپؐ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں فرماتے، بلکہ وہ آپؐ کی طرف وحی کی جاتی ہے"۔ تو اس آیت کے پیشِ نظر جب آپؐ کی باتیں وحی ہوئیں تو ان میں آنحضرت ﷺ کی ذاتی رائے اور تحقیق کا پہلو شامل نہیں ہو سکتا، کیونکہ وحی کو کسی صورت میں بھی آپؐ کی تحقیق نہیں کہا جاسکتا؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید کی آیتیں ہیں، کہ آپؐ اپنی مبارک زبان سے جو قرآن مجید کی آیات کی صورت میں ادا فرماتے ہیں وہ وحیِ الٰہی ہیں، اس میں آپؐ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے، بلکہ اللہ کے کلام کو امانت کے طور پر ہو بہو لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ اس سے مراد احکامِ شریعت اور عبادات وعقائد وغیرہ ہیں۔ عام معاشرتی زندگی میں آنحضرت ﷺ وحی کے بغیر بھی بات فرماتے رہے ہیں۔ اور یہ عقلاً بھی ممکن نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے شب وروز کے جملہ امور وحی کے تابع ہوں۔ کیونکہ زندگی کے بہت سارے مسائل کا تعلق عادات وآداب اور تربیت ومشاہدہ کے محتاج ہوتے ہیں اور ہر مسئلے میں ہر لمحے وحی آنا ممکن بھی نہیں اور کبھی ایسا ہوا بھی نہیں۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کی پوری زندگی اس کی شاہد ہے کہ آپؐ نے بہت سارے مسائل میں اپنی رائے اور اجتہاد سے کام لیا ہے۔ تاہم یہ ضرور ہوا ہے کہ کسی مسئلے کے حوالے سے بعد میں وحی نازل ہو کر آپؐ کی رائے اور اجتہاد کی تصدیق ہوئی ہے یا پھر اس میں ترمیم واصلاح کی گئی ہے۔

آنحضرت ﷺ کے علمی کمالات اور ذاتی تحقیقات کے حوالے سے یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ قرآن مجید میں آنحضرت ﷺ کے دیگر اوصاف میں سے ایک وصف "اُمی" ہونا بھی ہے۔ جو علم اور تحقیق کے متضاد ہے؟۔ اس حوالے سے پہلی بات یہ سمجھ لینی چاہئے کہ یہ صفت آپؐ کی شان میں کمال کے طور پر استعمال ہوئی ہے، اور دوسروں کے حوالے سے "اُمی" ہونا عیب ونقص شمار ہو سکتا ہے۔ جس طرح تکبّر، جبر وغیرہ اللہ تعالیٰ کی شان میں تعریف وکمال کے لئے ہیں اور غیروں کے اندر یہ صفات نقص وعیب شمار کی جاتی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ آپؐ کے اُمی ہونے کی مختلف مفہوم ہیں، وہ بھی مراد ہو سکتے ہیں، چنانچہ اہل عرب کو "اُمی" کہا جاتا ہے انہی کی طرف منسوب کرکے آپؐ کو بھی اُمی کہا گیا۔ یا کہ آپؐ مکہ مکرمہ کے باشندے تھے، اور مکہ مکرمہ کا ایک نام "اُم القریٰ" ہے، پس اُس کی جانب منسوب ہو کر آپؐ کو بھی اُمی کہا گیا ہے۔ اور خود قرآن مجید میں اس کا یہ فلسفہ بتایا گیا ہے کہ آپؐ اگر پڑھے لکھے ہوتے یا آپؐ کا کوئی استاذ ہوتا، تو مخالفین کو اعتراض کرنے کا موقع ملتا، کہ یہ نبی جس کو اللہ کا کلام قرار دے رہا ہے وہ اُس کے استاذ کا سکھایا ہوا کلام ہے، یا یہ کسی سے پڑھ کر اُس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرکے کلامِ الٰہی قرار دے رہا ہے۔ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو اُمیّت میں برقرار رکھ کر مخالفین کو اعتراض کرنے کا موقع نہیں دیا گیا۔